علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی

مرتب: ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی

کیا حضرت معاویہ نے سبِّ علی کا حکم دیا تھا؟

[''نقطۂ نظر'' کا یہ کالم مختلف اصحاب فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

(حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت میں ایک حدیث، جس کے بہانے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کی جاتی ہے، کا تحقیقی مطالعہ)

نوٹ: اصل تحریر علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی کے قلم سے ہے، البتہ بعض ضروری حوالوں کا اضافہ راقم خاک سار نے کر دیا ہے، بعض نوٹس بڑھائے ہیں اور اس کی تھوڑی تہذیب کر دی ہے۔ مصنف اور مرتب کی عبارتوں میں فرق کرنے کے لیے 'غ' سے اشارہ کر دیا ہے۔ ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی)

امام مسلم رحمہ اللہ نے قتیبہ بن سعید و محمد بن عباد سے، ان دونوں نے حاتم بن اسمٰعیل سے، اس نے بُکیر بن مسمار سے روایت کی ہے:

عن عامر بن سعد بن أبي وقاص عن أبيه قال: أمر معاوية بن أبي سفيان سعدًا (أن يسبّ عليًا فأبى) فقال: ما منعک أن تسب أبا التراب؟ فقال: أما ما ذكرتُ ثلاثًا قالهن له رسول الله صلى الله عليه وسلم فلن أسبه، لأن تكون

لي واحدة منهن أحب إلي من حمر النعم، سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول له حين خلفه في بعض مغازيه، فقال له علي: يارسول الله، أتخلفني مع النساء والصبيان، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: «أما ترضى أن تكون مني منزلة هارون من موسىٰ إلا أنه لانبوة بعدى». وسمعته يقول يوم خيبر: «لأعطين الرأية رجلًا يحب الله ورسوله ويحبه الله ورسوله» قال: فتطاولنا لها فقال: «ادعوا لي عليًا» فأتى به أرمد فبصق في عينه ودفع الرأية إليه ففتح الله عليه. ولما نزلت هذه الآية: ﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ﴾ دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم عليًا وفاطمة وحسنًا وحسينًا فقال: «اللّٰهُمَّ هولاء أهلي».(مسلم، رقم ۶۲۳۷)

''حضرت معاویہ بن ابی سفیان (امیر المؤمنین) نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو حکم دیا کہ ابو تراب، یعنی حضرت علی بن ابی طالب کو برا کہو، (یعنی ان پر دعاے لعنت کرو) سعد نے یہ حکم نہ مانا تو معاویہ نے ان سے کہا: ابو تراب کو برا کہنے سے آپ کو کیا مانع ہے۔ سعد نے کہا: آگاہ باش، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کے متعلق جو تین باتیں کہی تھیں، جب تک وہ مجھے یاد ہیں، میں ہرگز انھیں برا نہیں کہوں گا۔ ان تین باتوں میں سے ایک بھی میرے متعلق فرمائی ہوتی تو مجھے سرخ اونٹوں سے بھی بڑھ کر عزیز ہوتی۔ (سرخ اونٹ بہت قیمتی ہوتا تھا) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، جب کہ ایک جہادی سفر میں آپ نے علی کو ساتھ نہ لیا تھا، مدینہ میں ہی رہنے کا حکم فرمایا تھا۔ علی نے دل گرفتہ ہو کر عرض کیا تھا: یارسول اللہ، آپ مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ چھوڑ رہے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمھارا مجھ سے وہی مرتبہ ہو جو حضرت ہارون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھا، مگر یہ ہے کہ میرے بعد نبوت نہیں ہے، (یعنی حضرت ہارون علیہ السلام تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شریک کار اور نبی تھے، لیکن مجھے نبوت عطا فرمانے کے بعد نبوت ختم کر دی گئی ہے۔ نہ میرے ساتھ کوئی نبی ہو سکتا ہے نہ میرے بعد)۔ نیز میں نے آپ کو خیبر کے دن یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں ایک شخص کو علَم دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہیں۔ یہ سن کر ہم سب اس کے آرزومند ہوئے، (یعنی ہر صحابی کو آرزو ہوئی کہ علم مجھے ملے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علی کو بلا کر

لاؤ۔ وہ حاضر کیے گئے، حال یہ تھا کہ ان کی آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ آپ نے ان کی آنکھوں میں لعاب کے ساتھ پھونک ماری اور علم انھیں عطا فرمایا۔ نیز جب آیتِ مباہلہ نازل ہوئی جس میں: 'فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ' ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی اور فاطمہ اور حسن و حسین کو بلا کر فرمایا: خدایا، یہ میرے گھر والے ہیں۔''

تراجم:

بکیر بن مسمار زہری مدنی دروغ گو رافضی تھا۔ بخاری نے اس کی روایت کی ہوئی کوئی حدیث تخریج نہیں فرمائی۔ مسلم نے دو حدیثیں تخریج کی ہیں، ایک تو یہی ہے اور دوسری اس کے بعد آ رہی ہے (علامہ میرٹھی نے اس پر بھی نقد فرمایا ہے)۔

(تہذیب التہذیب میں ہے: 'قال البخاري: فيه نظر وقال العجلي: ثقة وقال النسائي: ليس به بأس وقال ابن عدي: مستقيم الحديث'۔ ص ۴۳۴ (حرف الباء) المجلد الاول، دار الفکر بیروت، طبع: ۱۹۸۴ء۔

یعنی بخاری تو اس کو ثقہ خیال نہیں کرتے، عجلی کام چلاؤ قرار دیتے ہیں اور نسائی نے بھی کام چلاؤ ہی قرار دیا ہے۔ صرف ابن عدی نے ٹھیک قرار دیا ہے۔ (ظاہر ہے کہ امام بخاری کے مقابلے میں ان حضرات کا اس کو ثقہ قرار دینا محل نظر ہے)۔ ہماری تحقیق میں اس روایت کے دو جز درست نہیں ہیں۔ سنداً اس روایت پر یہ کلام ہے کہ اس کا راوی بکیر بن مسمار ضعیف ہے، جیسا کہ اوپر گزرا، تاہم چونکہ اس کی تخریج مسلم نے کی ہے اور بعض ائمہ نے بکیر کو کسی درجہ میں قبول کیا ہے تو روایت کو درست مانا جا سکتا ہے، مگر اس کے دو جز یقیناً غلط ہیں اور درایتاً اس کے وجوہ درج ذیل ہیں۔ غ):

۱۔ اس میں مذکور ہے کہ حضرت معاویہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو سیدنا علی کو سب و شتم کرنے کا حکم دیا تھا۔ ناظرین جانتے ہوں گے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص عمر و مرتبہ میں حضرت معاویہ سے بدرجہا افضل تھے۔ وہ معاویہ سے تقریباً اٹھارہ سال عمر میں بڑے تھے، نوجوانی میں، جب کہ سولہ سترہ سال کے تھے، مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ قدیم الاسلام ہیں، عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں اور ان چھ اشخاص میں سے ایک ہیں جن کے متعلق حضرت عمر نے آخری وقت میں وصیت فرمائی تھی کہ خلافت کے لیے ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کیا جائے۔ بوقت انتخاب حضرت سعد نے حضرت عثمان کے حق میں رائے دی تھی۔ حضرت عثمان کے

بعد جب بلوائیوں اور عام انصار مدینہ نے حضرت علی سے بیعت کرلی تو عبداللہ بن عمر و اسامہ بن زید وغیرہم کی طرح سعد بھی ان کی بیعت سے کنارہ کش رہے۔ حضرت علی کے بعد ان کے فرزند ارجمند حضرت حسن نے جب حضرت معاویہ سے صلح اور بیعت کرلی تو تمام مسلمانوں کی طرح حضرت سعد نے بھی بطوع و رغبت حضرت معاویہ سے بیعت کرلی۔ حضرت معاویہ ایسے نادان نہ تھے کہ حضرت سعد کے مقام و مرتبہ سے آنکھ بند کرکے انھیں علی کو سب و شتم کرنے کا حکم دیتے، نہ وہ جاہل و بدزبان شخص تھے کہ حضرت علی کے بعد انھیں خود برا کہتے اور دوسروں سے برا کہلواتے۔ بے شک، علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان زبردست و خون ریز جنگ ہوئی تھی، مگر معاویہ اس میں حملہ آور نہ تھے۔ حضرت معاویہ نے دفاعی جنگ لڑی تھی۔ بکیر بن مسمار نے اپنی طرف سے یہ بات بنادی ہے کہ حضرت معاویہ نے حضرت سعد کو سبِ علی کا حکم دیا تھا اور نہ ماننے پر ان سے 'ما منعک أن تسب أبا تراب' کہا تھا اور سعد نے انھیں بتایا تھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدنا علی کے بارے میں تین باتیں سنی ہیں۔

ابن خلدون کہتے ہیں کہ کسی خبر کے بارے میں امکان وقوع راوی کے ثقہ ہونے سے زیادہ اہم ہے اور یہاں اس بات کا امکان نہیں معلوم ہوتا کہ یہ قصہ ہوا ہوگا۔ غ) ایک نہایت افسوس ناک بات یہ ہے کہ علی و معاویہ کی زندگیوں میں ہی اصحاب علی و اصحاب معاویہ کے درمیان سب و شتم اور لعن و طعن کا اور تبرا بازی کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ ''البدایہ والنہایۃ'' اور ''تاریخ ابن جریر'' میں تصریح ہے کہ اس کا آغاز کوفہ میں اصحاب علی نے کیا تھا۔

(البدایہ والنہایۃ، طبع: دار ہجر، تحقیق: دکتور عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی ۱۰/ ۵۷۵، تاریخ ابن جریر کے حوالے سے حافظ ابن کثیر نے اس کا تذکرہ کیا ہے کہ حضرت علی نے اس کی ابتدا کی اور حضرت معاویہ نے جواب میں اس کو شروع کیا، مگر خود حافظ نے کہا ہے: 'ولا یصح ھذا عنھم' حوالہ بالا، غ) جواب آں غزل کے طور پر اصحاب معاویہ نے بھی اسے اپنالیا۔ اہل رفض و تشیع تو اب تک تبرا بازی کو مذہبی شعار کی حیثیت سے اختیار کیے ہوئے ہیں، مگر اہل سنت ہمیشہ اس سے محفوظ رہے۔ کچھ مدت تک بنی امیہ اور اُن کے چمچے تبرا بازی کرتے رہے، لیکن خلیفۂ راشد عمر بن عبدالعزیز نے سختی کے ساتھ اس کو بند کرادیا، بلکہ مٹادیا۔

۲۔ اُن تین باتوں میں سے پہلی بات بکیر بن مسمار نے حضرت سعد کے سر پہ منڈھی تھی کہ ایک سفر جہاد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی کو مدینہ میں چھوڑا تھا۔ انھوں نے عرض کیا: 'یارسول اللہ،

أتخلفني مع النساء والصبيان‘۔ آپ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ’أما ترضى أن تكون مني بمنزلة هارون من موسىٰ إلا أنه لانبوة بعدي‘۔ بکیر بن مسمار نے نہ معلوم کیوں اس سفر جہاد کا نام نہیں لیا تھا، یقیناً وہ سفر تبوک تھا، اس لیے کہ اس کے علاوہ ہر سفر میں حضرت علی آپ کے ساتھ رہے ہیں، مگر اس دور دراز کے سفر کے موقع پر سخت اندیشہ تھا کہ منافقین کوئی فتنہ برپا نہ کر دیں، اس لیے آپ نے محمد بن مسلمہ انصاری کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ نماز پڑھانا اور عام دیکھ بھال رکھنا اور منافقین کی طرف سے چوکس رہنا محمد بن مسلمہ کے ذمے تھا۔ سیدنا علی کو آپ نے حضرت فاطمہ اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں کی نگہداشت کے لیے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا تھا۔ ’حتى إذا طلب الرسول صلى الله عليه وسلم من علي بن أبي طالب أن يخلفه في أهله‘ (د، اکرم ضیاء العمری، صحیح السیرۃ النبویہ ۵۲۹/۲)۔

لیکن یہ قطعاً غلط اور اہل تشیع کی گھڑی ہوئی بات ہے کہ اس موقع پر آپ نے حضرت علی کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا: ’أما ترضى أن تكون مني بمنزلة هارون من موسىٰ‘۔ آپ نے سیدنا علی کو مدینہ میں اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا۔ آپ کے جانشین تو محمد بن مسلمہ انصاری تھے۔ آپ نے حضرت علی کو اپنا خلیفہ مقرر کیا ہوتا تو آپ کا ان سے یہ فرمانا معقول ہوتا۔ (یٰسین مظہر صدیقی تو یہ کہتے ہیں کہ کسی ہاشمی کو یہ عہدہ پورے دور نبوی میں نہیں ملا تھا۔ ملاحظہ ہو: عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت ۲۶۰، القاضی پبلشرز، نئی دہلی، طبع اول: ۱۹۸۸ء، غ)

بقول علامہ ابن خلدون واقعات کی خبروں کے تعلق سے اصل چیز امکان وقوع ہے، نہ راوی کا ثقہ و عادل ہونا۔ وہ کہتے ہیں:

”وأما الأخبار عن الواقعات فلابد في صدقها وصحتها من اعتبار المطابقة فلذالک وجب أن ينظر في إمكان وقوعه وصار ذالک فيها أهم من التعديل ومقدمًا عليه. (مقدمہ ابن خلدون ۱۵)“

(یعنی جہاں تک واقعات کی خبروں کا تعلق ہے تو ان کی سچائی اور صداقت کے لیے صرف اتنا کافی نہیں کہ راوی ثقہ ہے یا نہیں، بلکہ اس میں اس کے وقوع پذیر ہونے کے امکان پر غور کرنا چاہیے، اور یہ تعدیل سے زیادہ اہم ہے اور اس پر مقدم ہے۔ صفحہ ۱۵، غ)

۱۔ قرآن کریم میں تصریح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور کے لیے روانگی کے موقع پر حضرت

ہارون علیہ السلام سے فرمایا تھا: 'اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ' (الاعراف ۷: ۱۴۲)۔ روایت میں اِس فقرہ کا پیوند لگانے والوں کو سوچنا چاہیے تھا کہ سعد بن ابی وقاص نے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدنا علی کے متعلق یہ سنا ہوتا تو وہ انتخاب خلیفہ کے موقع پر سیدنا علی کو چھوڑ کر سیدنا عثمان کے حق میں رائے نہ دیتے۔ اور سیدنا عثمان کے بعد سیدنا علی سے بیعت کرنے سے دست کش نہ رہتے، جب کہ حضرت معاویہ سے انھوں نے بغیر کسی تردد کے بیعت کر لی تھی۔

۲۔ رہی دوسری بات، یعنی غزوۂ خیبر میں حضرت علی کو عَلَم دے کر جنگ کے لیے بھیجنا تو یہ فی نفسہٖ صحیح قصہ ہے، لیکن یہ بات قطعی سمجھنے میں آنے والی نہیں کہ اس بات کو سعد رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی کو سب نہ کرنے کی معذرت میں معاویہ سے اسے بیان کیا ہو۔

۳۔ رہی تیسری بات تو وہ نہایت نازیبا جھوٹ ہے۔ افسوس کہ ثقہ محدثین تک اس کو نقل کر گزرے ہیں اور انھوں نے سورۂ آل عمران کی اس آیت پر غور نہیں کیا جس میں 'قُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَکُمْ' ہے۔ میں ناظرین کے سامنے وہ آیت رکھ رہا ہوں۔

قرآن مجید میں حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کی حقیقت روز روشن کی طرح واضح کر دی گئی تھی، لیکن اہل کتاب کی اکثریت ان کے متعلق اپنی بدعقیدگی پر مصر تھی، یہود تکذیب و تفریط سے اور نصاریٰ افراط و غلو سے باز آنے کا نام نہ لیتے تھے اور اس مسئلہ میں کج بحثی پر کمربستہ رہتے تھے اور دل میں طے کیے رہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بارے میں کوئی بات مان کر نہ دیں گے، اس لیے اب ان کے ساتھ بحث میں الجھنا بے سود تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی کہ مسیح بن مریم علیہ السلام کے متعلق جو یقینی باتیں ہم نے تمھیں بتا دی ہیں، ان کے بعد بھی اہل کتاب یہود و نصاریٰ اپنی ہی بات ہانکتے رہیں اور آپ سے کج بحثی کریں تو انھیں دعوت مباہلہ دو کہ آؤ ہم تم دونوں فریق میدان دعا میں کھڑے ہوں ہم اپنے بچوں اور عورتوں اور مردوں کو لے آئیں اور تم اپنے بچوں اور عورتوں اور مردوں کو لے آؤ، دونوں فریق اللہ کے حضور گڑگڑائیں کہ دونوں میں سے جو فریق بھی جھوٹا ہو، اسی پر اللہ کی پھٹکار ہو۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ	''پس اے نبی، جو لوگ تجھ سے مسیح بن مریم کے بارے میں کج بحثی کریں اُس علم کے بعد بھی جو تجھے حاصل ہوا ہے (اور تو نے انھیں اس سے

وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ.

(آل عمران ۳: ۶۱)

خوب آگاہ کر دیا ہے) تو کہہ دے کہ آؤ ہم اہل ایمان اپنے بیٹوں کو اور تم لوگ اپنے بیٹوں کو، ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو، ہم اپنے برادران دین کو اور تم اپنے برادران دین کو بلا لیں، پھر ہم گڑگڑا کر دعا کریں، پس ہم جھوٹے فریق پر اللہ کی لعنت تجویز کریں۔''

۹ھ میں نجران کے عیسائیوں کا جو وفد آیا تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق ان کے سامنے توضیحات رکھیں اور انھیں قبول اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے ضد و عناد کی وجہ سے قبول اسلام سے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق بدعقیدگی سے باز آجانے سے انکار کر دیا تو آپ نے انھیں دعوت مباہلہ دی، وہ اس پر آمادہ ہو گئے، مگر ان کے ایک سردار نے کہا کہ ان سے مباہلہ نہ کرو، کیونکہ اگر یہ فی الواقع نبی ہیں تو ان کی بددعا ہمیں نامراد کر کے رکھ دے گی اور ہماری نسل کو بھی۔ سب اس پر متفق ہو گئے، مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا اور دارالاسلام کے تحت ذمی بن کر رہنے اور جزیہ ادا کرتے رہنے کا اقرار کر لیا اور عرض کیا کہ ہمارے ساتھ اپنے اصحاب میں سے ایک معتمد علیہ شخص کو بھیج دیں۔ آپ نے امین الامۃ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ بھیج دیا (صحیحین) اور یہ خیال کرنا قطعاً غلط ہے کہ وفد نجران کی آمد اور ان سے حضرت مسیح کے متعلق گفتگو ہونے پر یہ آیت مباہلہ نازل ہوئی تھی۔ یہ آیت تو اس وفد سے کئی سال پہلے نازل ہو چکی تھی۔ اس آیت کے مطابق ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر کار اس وفد کو دعوت مباہلہ دی تھی۔

اب بکیر بن مسمار کی روایت کی طرف آیئے، اس نے حضرت سعد کے سر یہ منڈھا ہے کہ 'ولما نزلت هذه الآية: ﴿فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ﴾ دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم عليًا وفاطمة وحسنًا وحسينًا فقال: «اللّٰهُمَّ هؤلاء أهلي»'۔

اب کوئی یہ بتائے کہ اس آیت کے نزول پر علی و فاطمہ و حسن و حسین کو بلا کر 'اللّٰهُمَّ أهلي' فرمانے کی کیا تک ہو سکتی ہے۔ ماروں گھٹنا پھوٹے خیر آباد۔ پھر بکیر بن مسمار کو یہ بھی علم نہ تھا کہ جب مباہلہ نازل ہوئی ہے تو حسین بن علی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ حسن بن علی، ممکن ہے کہ پیدا ہو گئے ہوں، اس لیے کہ سورۂ آل عمران میں حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام سے متعلق آیات، آیت مباہلہ سمیت غزوۂ احد سے پہلے نازل ہو چکی

تھیں۔ غزوۂ احد شوال ۳ھ میں ہوا تھا اور حسن بن علی بقول خلیفہ بن خیاط وغیرہ نصف رمضان ۳ھ میں اور بقول قتادہ ۱۵/ شوال ۴ھ میں پیدا ہوئے (تہذیب التہذیب: طبع: دار الفکر، الطبعۃ الاولی، ۱۹۸۴ء، ۲/۲۵۷) اور حضرت حسین حضرت حسن سے ایک سال بعد پیدا ہوئے (قال جعفر بن محمد کان بین الحسن والحسین طھر واحد، ص ۲۹۹، نفس المصدر، غ)۔ الغرض بکیر بن مسمار کی روایت میں یہ تیسری بات قطعاً غلط ہے۔ (اس سلسلہ میں مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ''تفسیر مفتاح القرآن'' میں آیت مباہلہ کی تفسیر اور متعلقہ روایات کی تحقیق، ۱/ ۶۷۰-۶۷۳، شائع کردہ: فاؤنڈیشن فار اسلامک اسٹڈیز، نئی دہلی، طبع ثانی)۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com